علامہ اقبالؒ اور خوشحال خان کی شاعری کا تقابلی جائزہ

تحریر: ڈاکٹر علی کمیل قزلباش

تقابلی جائزہ آج کے عالمی ادب میں بڑی اہمیت اختیار کر چکا ہے، دنیا کی بڑی یونیورسٹیاں اور دیگر تحقیقی ادارے اس روش پر زور دے رہے ہیں، کیونکہ اس کے توسط سے اقوام عالم میں قربتیں اور محبتیں پیدا ہوسکتی ہیں۔ تقابلی جائزے پر نہ صرف ادبی بنیادوں پر بلکہ دیگر علوم میں بھی توجہ دی جارہی ہے۔ اس ادب کا رجحان ہر بڑی زبان میں ملتا ہے اگرچہ ناموں میں لغوی اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن اصطلاحاً ایک ہی معنی لیے جاتے ہیں۔ اردو میں ''تقابلی ادب'' جبکہ فارسی میں اسے ''ادبیات تطبیقی'' عربی میں ''الادب المقارن'' انگریزی میں "Comparitive literature" اور فرانسیسی میں "Literture Comparee" کے عنوان سے متعارف ہے۔

اس بحث سے قطع نظر کہ تقابلی جائزے کا آغاز کیسے اور کہاں سے ہوا، یہ کہنا بہتر ہوگا کہ اس ادب نے دنیا کی زبانوں میں استفادے کی غرض سے نئے دریچے کھول دیئے ہیں، ڈاکٹر شبلی کے بقول:

''ادب کے تقابلی مطالعے کو کچھ عرصہ سے بین الاقوامی یک جہتی کو فروغ دینے کے لیے بھی استعمال کیا جارہا ہے، اس میں ایک ملک کے شاعر یا ادیب کا دوسرے ملک کے شاعر اور ادیب سے تقابل پیش کیا جاتا ہے ان دونوں کے احوال و آثار، فکر و فن اور موضوعات و مطالب کے گہرے مطالعے سے مشترک نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔''(۱)

لیکن یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ نہ صرف مختلف ممالک کے بلکہ دو زبانوں کے اہل قلم کے درمیان بھی یہ مطالعہ انجام پاتا ہے، جیسے پاکستان کے کسی ایک زبان کے شاعر، ادیب کا کسی دوسری زبان کے شاعر یا ادیب کے ساتھ تقابل پیش کیا جائے۔

یہاں بھی ایسے دو شاعروں کی شاعری کا تقابلی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، جن کی سرزمین (آج کے تناظر میں) ایک ہے، لیکن زبانیں جدا، افکار ایک ہیں، نظریات ایک ہیں، عظمت ایک ہے، شخصیتیں ایک جیسی ہیں، میری مراد، پشتو کے عظیم شاعر خوشحال خان خٹک، جنہوں نے مختصر سی فارسی شاعری بھی کی ہے، اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبال سے ہے۔

ہم جب اقبالؒ کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو بخوبی اس نکتے تک پہنچ جاتے ہیں کہ انہوں نے دنیا کے مفکرین کے تفکرات کو اپنا تختۂ مشق بنایا اور ان سے بھرپور استفادہ کیا ہے، ان کی اعلیٰ ظرفی اور وسعت نظری کی دلیل کہ وہ جس خرمن سے بھی خوشہ چنتے ہیں تو اس کا کھلے دل سے اعتراف بھی کرتے ہیں اور یوں نہیں کہ اقبال نے جو جہاں سے لیا، اس کو ہی خام صورت میں پیش کیا، بلکہ ان تمام جواہرات کو ایک ماہر جوہری کی طرح نئی سے نئی شکل میں پیش کیا۔ اقبال نے جہاں دیگر مفکرین سے استفادہ کرتے ہوئے اعتراف کے طور پر ان کی تعریف کی ہے۔ وہاں وہ خوشحال خان کی بھی تعریف کرتے ہیں۔

معروف مستشرق میجر ہنری جارج راورٹی (۱۸۲۵ـ۱۹۰۶ء) نے جہاں پشتو ادب کے حوالے سے اور گرانقدر کام انجام دیا ہے وہاں انہوں نے شاعری سے انتخاب کے طور پر پشتو کے کلاسیکی شعرا کا تعارف اور کچھ اشعار کا انگریزی ترجمہ بھی پیش کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۸۶۲ء میں لنڈن میں شائع ہوئی ہے، اقبال جب اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں، تو خوشحال سے متاثر ہو جاتے ہیں گرچہ اس میں خوشحال کے سو شعروں سے زیادہ کا ترجمہ شامل نہیں لیکن اقبال اپنی زیرک نگاہ کے زور پر اندازہ لگا لیتے ہیں کہ ان کا تعارف کتنے عظیم شاعر سے ہو رہا ہے۔ اسی بنیاد پر اقبال ایک مقالہ انگریزی زبان میں خوشحال پر تحریر کرتے ہیں، جو اکتوبر ۱۹۲۸ء میں حیدرآباد دکن کے مجلے ''اسلامک کلچر'' میں شائع ہوتا ہے، جس میں اقبال خوشحال کی زندگی کا مختصر جائزہ لیتے ہوئے ان کے جدوجہد اور شاعری سے ان کی تصویر کشی کرتے ہیں اور ان کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

'' بلند و رسا ذہن رکھنے والے قادر الکلام شاعر تھے اسی اساس پر انہوں نے مختلف موضوعات جیسے فلسفہ، اخلاقیات اور طب وغیرہ پر اظہار خیال کیا ہے۔ان کی شاعری کا بیشتر حصہ جو ہندوستان میں تخلیق ہوا ہے، مغلوں سے ان کے مبارزے کا آئینہ دار ہے۔ جس میں عرب کلاسیک شاعری کی روح کو پایا جاسکتا ہے، انکی شاعری میں عربی شاعری کی روانی، سادگی اور سلاست بیان کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے''۔

اقبال نے افغانستان کی وزارت تعلیم کو باقاعدہ خط لکھ کر تلقین کی کہ اس عظیم شخصیت پر افغان دانشوروں کو کام کے لیے اکسایا جائے، جس کے بعد انہیں افغانستان کے سفر کی دعوت بھی دی گئی، انہوں نے یہ سفر، سید سلیمان ندویؒ کے ساتھ کیا اور غزنی میں حکیم سنائی کے مقبرے پر اشعار کہے۔ اقبال کے اس سفر کی تفصیل کو ان کے فارسی کلام میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔انہوں نے اس مقالے کے علاوہ فارسی اور اردو اشعار میں بھی خوشحال خان کی تعریف کی ہے۔ اردو میں خوشحال خان کی وصیت کو موضوع بناتے ہوے کہتے ہیں:

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم — کہ ہو نام افغانیوں کا بلند
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے — ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند
مغل سے کسی طرح کمتر نہیں — کہستان کا یہ بچہ ارجمند
بتاؤں تجھے ہمنشین دل کی بات — وہ مدفن ہے خوشحال خان کو پسند
اڑا کر نہ لائے جہاں بادِ کوہ — مغل شہسواروں کی بادسمند (۲)

کیونکہ خوشحال خان نے اپنی وصیت میں کہا تھا کہ '' مجھے اس جگہ دفن کیا جائے جہاں مغل سپاہیوں کے گھوڑوں کی گرد تک بھی نہ پہنچ سکے۔''(۳)

اسی طرح فارسی میں خوشحال خان کے ایک پشتو شعر کو، جس میں خوشحال نے پشتونوں کی کم حوصلگی پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے، موضوع بناتے ہوئے کہتے ہیں:

خوش سرود آن شاعر افغان شناس — ہر چہ بیند باز گوید بی ہراس

آن حکیم علت افغانیان   آن طبیب ملت فغانیان
راز قومی دید و بی باکانہ گفت   حرف حق با جرات رندانہ گفت
''اشتری یابد اگر افغان حر   با براق و سازو با انبار در
ہمت دونش از آن انبار در   می شود خوشنود با زنگ شتر'' (۴)

ترجمہ: وہ خوش نوا افغان شناس شاعر جو کچھ دیکھتا ہے ہر اس کہہ دیتا ہے۔ وہ افغانوں کی علتوں کا حکیم، وہ افغانیوں کی ملت کا طبیب، حق بات رندانہ شوخی سے کہہ بیٹھا (کہ) ''افغان حر اگر اونٹ کو بار واسلحہ اور جواہر کے ساتھ پائیں، تو اس کے گلے کی گھنٹی کو لوٹنے میں مصروف ہو جائیں گے۔''

اقبال ایک خط میں اپنے جالندھر کے پشتون دوست نیاز الدین خان کو لکھتے ہیں۔ ''افسوس کہ مجھے پشتو نہیں آتی، ورنہ میں اس مبارز کے اشعار کو اردو یا فارسی میں ترجمہ کر لیتا'' ضروری سمجھتا ہوں کہ اس تمہید کے بعد خوشحال خان اور اقبال کی زندگی کا مختصر جائزہ بھی پیش کروں، تاکہ قارئین ان کے افکار میں (۵) مطابقت اور زمانے کے اس قدر فاصلے کے باوجود ان کی فکری ہم آہنگی کو سمجھتے ہوئے فائدہ اٹھا سکیں۔

خوشحال خان ۱۶۱۳ء میں پشاور سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع مقام ''اکوڑہ خٹک'' میں پیدا ہوئے (اکوڑہ خوشحال کے دادا کا نام تھا اور انہی کے نام سے یہ علاقہ معروف ہے)، خوشحال نے اپنے دور کے مروجہ علوم اور زبانوں یعنی عربی اور فارسی پر پوری طرح عبور حاصل کیا تھا۔ بیس سال کی عمر سے شاعری شروع کی، جبکہ تیرہ سال کی عمر سے اپنے والد شہباز خان کے ساتھ جنگوں میں حصہ لینے لگے تھے، یہ جنگیں مختلف پشتون قبیلوں کے درمیان لڑی جاتی تھیں اور شہباز خان مغل حکومت کے لیے لڑتا رہا۔ والد کے قتل کے بعد خوشحال ۲۷ سال کی عمر میں سردار بنا۔ شاہجہان کے بعد، تھوڑے ہی عرصے میں اورنگ زیب عالمگیر نے اسے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا، جہاں خوشحال خان نے کوئی پونے پانچ سال قید اور نظر بندی میں بسر کیے لیکن اپنے علمی کام سے وہاں بھی دستبردار نہیں ہوئے۔ رہائی پانے کے بعد خوشحال خان نے تمام عمر اورنگ زیب کے مقابل پشتونوں کو یکجا

کرنے کی کوششیں کیں اور مغل فوج سے کئی جنگیں لڑیں۔ اورنگ زیب نے اس کے بعد بھی خوشحال کو بڑی سے بڑی پیشکشیں کیں، لیکن خوشحال خان کے اپنے قول کے مطابق اس کی آنکھیں کھل چکی تھیں اور وہ خواب غفلت سے بیدار ہو چکے تھے۔ خوشحال خان نے یہ عمر اپنی قوم کو خودی اور بیداری اور وقت کی نبض کو سمجھنے اور اپنے حالات کو سنوارنے کی کوششوں میں صرف کی۔ وہ کثیر الاولاد بھی تھے، ان کے کئی بیٹے پشتو کے اہم شاعر اور نثر نگار کہلاتے ہیں، اسی طرح ان کے نواسے وغیرہ بھی۔ کچھ نے تو فارسی میں بھی طبع آزمائی کی ہے جن میں اشرف خان ہجری، عبدالقادر خان خٹک، علی خان خٹک، گوھر خان خٹک، افضل خان خٹک، سکندر خان خٹک، صدر خان خٹک، عابد خان خٹک، کاظم خان خٹک، حلیمہ خٹک، وغیرہ شامل ہیں۔

خوشحال خان نے ہر طرح کی سختی برداشت کی لیکن خودی کو کبھی بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ انکی اورنگ زیب عالم گیر سے کیا مخاصمت تھی؟ یہ ایک الگ موضوع ہے جس پر بحث کی یہاں گنجائش نہیں نکلتی، غرض یہ کہ بالآخر انکے اپنے بیٹے بہرام خان کو اورنگ زیب نے خرید کر ان کا مخالف کر دیا اس طرح خوشحال خان خان نے آخری ایام بڑی سختی میں بسر کیے۔ اور ۷۷ سال کی عمر میں یوسف زئیوں کے علاقے میں ۱۶۸۹ء میں وفات پائی۔

علامہ اقبال کی تاریخ پیدائش خوشحال خان کی طرح واضح نہیں، بلکہ کئی تاریخوں کا ذکر ملتا ہے، لیکن جس تاریخ کو قطعی طور پر بحث و تحقیق کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ وہ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء ہے۔

آپ سیالکوٹ میں شیخ نور محمد کے گھر متولد ہوئے، اقبال کی پرورش خوشحال خان طرح اگر چہ تیر و تلوار کے سائے میں نہیں ہوئی لیکن ان کا زمانہ سیاسی جنگ کا تھا، وہ دور بھی خوشحال خان کے دور کی طرح غلامی کا تھا، اور اقبال اس ماحول میں پرورش پا کر جب شعور کی سطح پر پہنچے تو انہیں مجبوراً اس زمانے کی کارگر شمشیر یعنی قلم سے جہاد کا آغاز کرنا پڑا۔ تمام عمر انہوں نے خودی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور آخر دم تک غلام قوم کو آزادی کی جہد و تلقین میں مصروف رہے۔ اقبال نے اس نکتے کو پالیا تھا کہ علم کی شمشیر کے بغیر دشمن سے مبارزت ممکن نہیں، لہٰذا انہوں نے جرمنی اور

لندن سے بی ، اے، اور پی ، ایچ ، ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد پاکستان آکر درس و تدریس کا پیشہ اپنایا، لیکن بہت جلد آزادی قلم کے لیے یہ نوکری چھوڑ کر وکالت کا آزاد پیشہ اختیار کیا اور وقت کے اورنگ زیب سے آزادی سے مقابلہ کرنے لگے۔ اقبال کی اگرچہ اولاد کم تھی لیکن ان کا بھی ایک بیٹا آفتاب اقبال تمام عمران کیلئے وبال جان بنا رہا۔

اقبال نے قلم کے جہاد کے علاوہ عملی سیاست میں حصہ لیا اور ایک لمحہ بھی ایسا بسر نہیں کیا جس میں آزادی اور خودی کا درس پوشیدہ نہ ہو، اس عظیم مبارز نے ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور اس عمر میں وفات اس خواہش کا نتیجہ ہے جس کا بار بار اقبال اظہار کر چکے تھے کہ ان کی عمر رسولؐ خدا کی عمر سے زیادہ نہ ہو، اس طرح اقبال نے ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو وفات پائی۔

اقبال اور خوشحال خان کی شاعری میں بہت زیادہ مشترک نکات پائے جاتے ہیں، جن میں کئی تو ایسے شعر ہیں جو کہ ایک دوسرے کا ترجمہ محسوس ہوتے ہیں، لیکن یہ بات اثبات کو پہنچی ہوئی ہے کہ اقبال نے خوشحال خان کے کسی شعر کو ترجمہ نہیں کیا، کیونکہ جن اشعار میں یہ بے حد مشابہت ملتی ہے وہ ان کے علاوہ ہے جن کا انگریزی میں ترجمہ اقبال پڑھ چکے تھے۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال (جس کا اظہار وہ خوشحال خان و اقبال کا مطالعہ کیے بغیر کرتے ہیں) قطعی باطل ہے کہ اقبال نے خوشحال خان سے اثر لے کر باز و شاہین یا خودی جیسے موضوعات کو اپنایا، کیونکہ یہ سب اقبال کی شاعری میں خوشحال خان کے مطالعے سے پہلے بھی ملتا ہے۔

ان دونوں شعراء میں اسلامی اقدار، قرآن وسنت اور ذات رسالت مآب ﷺ، حضرت علیؓ، اہل بیتؓ اور اصحاب رسولؐ کا عشق مشترکہ طور پر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ خودی، مرد مومن، آزادی، شیری، حرکت میں حیات، شاھین، باز، تلوار، شکست دست طمع، دربار و سلطان سے دوری ، غلامی کی مذمت، مقام آدم، عشق، توکل، عقل ستیزی، ملاستیزی، درویشی، مئے و مستی، جوانوں سے محبت، گل و لالہ اور اسلامی مشاہیر (بالخصوص ایرانی) جیسے موضوعات مشترک ہیں۔ یہ وہ موضوعات ہیں جن پر مشترک اشعار ملتے ہیں ان کے علاوہ چند اشعار کے اشتراک سے تو کئی اور

عنوانات بھی مل سکتے ہیں۔ جیسے بے باکی وحق گوئی، اپنے عہد سے بے قدری کی شکایت، تعلٰی سجدہ حقیقی، عمل سے زندگی، توکل اور اتحاد و یگانگی وغیرہ۔

یہاں ان کے مشترک موضوعات کے حوالے سے کچھ اشعار نذر قارئین کیے جاتے ہیں۔
سرور کائنات ﷺ کے حوالے سے ملاحظہ ہو جہاں اقبال حدیث قدسی "لولاك لما خلقت الافلاك" کی پیروی میں کہتے ہیں کہ

زانکہ ملت را حیات از عشق اوست　　　　برگ و ساز کائنات از عشق اوست (۶)

ترجمہ: ملت کو ان کا عشق حیات بخش ہے، جبکہ کائنات کے برگ و ساز کا باعث بھی انہی کا عشق ہے۔

شفاعت د محمدؐ ثابت پہ نص دے　　　　داپہ دے چی دے دورست جہان اخص دے (۷)

ترجمہ: محمدؐ کی شفاعت نص (کلام معتبر) سے ثابت ہے۔ اس لیے کہ وہ تمام عالم کے منتخب شدہ ہیں۔

ان کے شق قمر کے معجزہ کے حوالے سے دونوں شعراء کا موقف کچھ یوں ہے خوشحال خان کہتے ہیں

په معجزيے د قمر کمر دو نيم کڑ　　　　په اعجاز که پولاد و چاته موم دیے (۸)

ترجمہ: معجزے سے چاند کو دو شق فرمایا، چاہے کوئی فولاد کو موم کرنے کا ہنر رکھتا ہو۔

اقبال کے ہاں اس خیال کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

پنجہ او پنجہء حق می شود　　　　ماہ از انگشت او شق می شود (۹)

ترجمہ: ان کا ہاتھ حق کا ہاتھ ہے، (لہٰذا) ان کے انگشت سے قمر شق ہو جاتا ہے۔

حضرت علیؓ کی وصف و تعریف سے ان دونوں کی شاعری بھری پڑی ہے۔ ان کی شجاعت، دلیری، سخاوت اور علمی عظمت وغیرہ کو انہوں نے موضوع بنایا ہے جبکہ خوشحال خان کی زندگی اور کلام پر تو حضرت علیؓ اور ان کی کتاب "نہج البلاغہ" کا بہت زیادہ اثر رہا ہے۔

اس حوالے سے ایک ایک مثال پر اکتفا کرتے ہوئے بحث کو آگے بڑھاؤں گا۔ خوشحال خان چونکہ اپنی زندگی میں پست لوگوں کے ہاتھوں ہمیشہ مشکلات سے دوچار رہے (اور ایسا تاریخ

کے ہر جوانمرد کے ساتھ ہوا ہے) تو وہ حضرت علیؓ کی زندگی کو اپنے سامنے مثال پا کر کہتے ہیں.

چی ئے لہ چاگنیے لا تہ ولی نہ ئیے
کامل د خدائیے پہ پیژند گلی نہ ئیے
حال ئیے و کورہ پہ تواریخ کی
خوشحال خانہ صبر کڑہ، بہ تر علی نہ ئیے(۱۰)

ترجمہ: یہ جو تم دوسروں سے اپنے درد کا گلہ کرتے ہو ولی نہیں ہو، اور پوری طرح خدا کو نہیں پہچان پائے ہو، تاریخ میں ذرا ان کے احوال پر نظر کراے خوشحال خان! تم علی سے تو بہتر نہیں ہو.

اس ایک رباعی میں خوشحال خان نے تلمیحاً مکمل تاریخ کو قاری کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے، جبکہ اقبال بھی اسی حوالے سے کہتے ہیں:

تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری
نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ فگن نئے
وہی فطرت اسد اللہی وہی مرحبی وہی عنتری(۱۱)

آل رسولؐ اور اصحاب رسولؐ کے حوالے سے بھی ان کی شاعری میں مشترکات ملتے ہیں۔ مشتے ازخروارے کے بمصداق ایک آدھ مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ خوشحال خان ایک قطعہ میں کہتے ہیں:

تر هلال و تر بلال ئیے صدقہ شم
پہ اخلاص یم زہ دد وی د تلی خاک
د بوذر و د سلمان ئیے درویز گریم
تل ددوئی پہ محبت دیے زما ژواک(۱۲)

ترجمہ: ان کے ہلال اور بلال کے صدقے، میں بصد خلوص ان کے قدموں کی خاک ہوں، جبکہ انکے ابوذر اور سلمان کا دریوزہ گر ہوں ان کی ہی محبت پر میری زندگی کی اساس ہے۔

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ نابغہ عصر اقبال اس موضوع کو کس طرح نبھاتے ہیں:

نعرۂ حیدر نوائے بوذر است گرچہ از حلق بلال و قنبر است (۱۳)

ترجمہ: حیدری نعرہ ابوذر ہی کی آواز ہے۔ اگرچہ وہ بلال و قنبر کے حلق سے نکل رہی ہے۔

یا یہ شعر کہ جس میں اصحاب رسولؐ کی عظمت کو ایک اور زاویے سے بیان کرتے ہیں:

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے وہ کیا تھا زورِ حیدر فقرِ بوذر صدقِ سلیمانی (۱۴)

اسی طرح خانوادہ اہل بیتؓ کے حوالے سے حضرت فاطمہؓ سے لے کر حضرت امام مہدیؑ تک کے حوالے سے دونوں نے اپنے عقیدے کا اظہار کیا ہے یہاں سب کی مثالوں سے گریز کرتے ہوئے ایک آدھ مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ اقبال اہل بیت رسولؐ سے اپنی وابستگی کا ذکر یوں کرتے ہیں:

جہاں سے پلتی ہے اقبال روحِ قنبر کی ہمیں بھی ملتی ہے روزی اس خزینے سے (۱۵)

اور خوشحال خان کہتے ہیں:

د خوشحال خان خٹك دی حشر له هغو شی

چی دو ستدارد پنج تن ، چارده معصوم دی (۱۶)

ترجمہ: خوشحال خان خٹک انہی کے ساتھ محشور ہو، جو چاردہ معصوم اور پنجتن کے دوستدار ہیں۔

جبکہ مومنین کے نجات دہندہ حضرت امام مہدیؑ کے حوالے سے دونوں کے ہاں ان کا انتظار نظر آتا ہے، دونوں کے ہاں فساد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا عمل انہی سے وابستہ ہے۔ خوشحال خان کہتے ہیں:

اے مہدی لہ غارہ ووزہ کشیږدہ پشہ پہ پالنگونہ

د عدل تورہ را واخلہ ملك اسلام کڑہ پہ جنگونہ (۱۷)

ترجمہ: اے مہدی، غار سے باہر آ، اور پاؤں (غفلت کے) پلنگوں پر دھر لے، عدل کی تلوار اٹھا لے اور مملکت اسلامی کو جنگ کے لیے آمادہ فرما۔

اقبال کے ہاں اسی انتظار یا امید کا چہرہ یوں نظر آتا ہے۔

سب اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں محبوس خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیار
دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت ہو جس کی نگہ زلزلہ عالم افکار (۱۸)

اقبال کا تمام کلام قرآن کی تصویر ہے، بلکہ ایک طرح قرآن کی اردو تشکیل ہے یہاں فقط ایک قرآنی تلمیح کے مشترکہ استعمال کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور آگے دیگر نکات کی طرف بڑھتے ہیں دیگر نکات کی طرف۔ اقبال نے اس قطعے میں مکمل ضابطہ حیات کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

چیست قرآن خواجہ را پیغام مرگ دستگیر بندہ ی بے ساز و برگ
ہیچ خیر از مردک زرکش مجو لن تنالو البر حتی تنفقو (۱۹)

ترجمہ: قرآن کیا ہے خواجہ کو موت کا پیغام، اور بے چارے بندے کا دستگیر، زر پرست شخص سے خیر کی قطعاً توقع نہ رکھ، نیکی تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ تو اپنی پسندیدہ چیز خدا کی راہ میں صرف نہ کرے۔

جبکہ خوشحال خان بہت ہی مختصر بحر میں اسی نکتے کو اس آیت کی مدد سے یوں بیان کرتے ہیں

پہ دنیا بہ دین حاصل کا چی خبر پہ "لن تنا" شی (۲۰)

ترجمہ: دنیا ہی میں دین کو پالے گا، اگر "لن تنا" کے راز سے آگاہی حاصل کر پائے۔ (یعنی مرد زرکش نہیں بنے گا)

بندگی کا محور بھی اقبال اور خوشحال خان کے ہاں ایک ہی ہے۔ وہ حافظ اور سعدی وغیرہ کی طرح ریا کے سجدوں کے قائل نہیں تھے اور اس حوالے سے ایک ہی موقف رکھتے تھے۔ اقبال کا بڑا معروف شعر ہے:

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں (۲۱)

اسی خیال کو خوشحال خان کے ہاں دیکھئے

تا پہ زڑہ کی سل خدایان دی کشینولی
را تہ وایہ سرو چاتہ پہ زمین ژدمے ؟ (۲۲)

ترجمہ: تو نے سینکڑوں خدا دل میں سجا رکھے ہیں، تو زمین پر سجدے کس کے لیے کر رہے ہو

ان دونوں کے ہاں جنت وجہنم کا دارو مدار قرآن کے مصداق، عمل پر مبنی ہے۔ انہیں اس بات پر یقین کامل تھا کہ جو بویا جائے گا اسی کی فصل بھی ملے گی یہی وجہ ہے کہ دونوں نے اپنی عمر جدوجہد میں بسر کی، خوشحال خان نے کہا تھا:

که دوزخ لره سوك بيا يي كه جنت له
بله نه وينم په مخ كي خپل اعمال دي (۲۳)

ترجمہ: اگر کوئی جنت میں جاتا ہے یا جہنم میں، اور کچھ نہیں بلکہ سب صرف اعمال ہی کی بنیاد پر ہو رہا ہے.

اور اقبال کا تو اس موضوع پر شعر زبان زد خاص وعام ہے کہ:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے (۲۴)

عمل کے حوالے سے ان کا نظریہ یہ تھا کہ جس کے آگے تمام اسباب موجود ہوں اور وہ ان سے استفادہ نہ کرے تو افسوس ہے اس کی حالت پر، یہاں پھر اقبال کے معروف شعر کو بطور مثال پیش کرتے ہوئے خوشحال خان کے پشتو شعر کا حوالہ دیں گے، اقبال نے کہا تھا:

موسم اچھا ہے پانی وافر مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان (۲۵)

اب خوشحال خان کا شعر دیکھیں جس کے ترجمے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی:

تخم شته هم مز كه هم قبله لرے تياره
ټول اسباب دي جوړ دي و لي نه كړے كار د كر (۲۶)

یہ دونوں شاعر خودنمائی کے بھی قائل نہیں تھے اتنی عظمتوں کے باوجود اپنے اعمال سے مطمئن نہیں تھے اور اپنے آپ پر ہی تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا (۲۷)

کیا خوشحال خان خان کا یہ شعر اقبال کے اس شعر کا عکس نہیں ہے، کیا یہ کہنا درست نہیں

ہوگا کہ وہ روح جو خوشحال خان کے وجود میں تھی تین سو سال بعد اقبال کی شکل میں اپنے آپ کو ایک مرتبہ پھر منوا چکی، خوشحال خان کا کہنا ہے.

پہ کردار تورہ مشکنہ ئے خوشحال خانہ
پہ گفتار سرہ د سپینو درو ویش ئے (۲۸)

ترجمہ: کردار کے حوالے سے سیاہ دانہ ہو، لیکن گفتار سے سفید موتی بخشتے ہو.

لیکن یہ نہیں کہ انہیں اپنی اہمیت اور مقام کا اندازہ نہیں تھا، دونوں کی شاعری میں بہت زیادہ اشعار ایسے ملتے ہیں جن میں انہوں نے اپنی اہمیت اور مقام کو ظاہر کیا ہے یا اپنی بے قدری کا شکوہ اور سخن نافہموں کا گلہ کیا ہے۔ خوشحال خان کو دیکھئے:

غافلان پہ غوژ کا نہ دی نہ ئے اوری
د خوشحال خان خٹك دخلے خبری لواڑی (۲۹)

ترجمہ: غافلوں کے کان کے بہرے ہیں اور نہیں سن پاتے، خوشحال خان کے منہ کی بلند مرتبہ باتوں کو.

اب اقبال اسی نوا کو تین سو سال بعد فارسی زبان میں یوں بلند کرتے ہیں:

نوا ز حوصلۂ دوستان بلندتر است　　غزل سرا شدم آنجا کہ ہیچ کس نشنید (۳۰)

ترجمہ: میری نوا دوستوں کی حد سے بلند تر ہے، وہاں غزل سرا ہوا ہوں جہاں کسی کو سنائی نہیں دیتا.

یا اقبال کا یہ شعر:

پس از من شعر من خوانند و دریابند و می گویند　　جہانی را دگرگون کرد یک مرد خود آگاہی (۳۱)

ترجمہ: میرے بعد میرے اشعار کو سمجھیں گے اور کہیں گے کہ جہاں کو ایک مرد خود آگاہ نے دگرگوں کر دیا ہے.

اب خوشحال خان کے ہاں دیکھتے ہیں کہ کیا نوا ملتی ہے بالکل یہی بات یہی شکوہ اور اپنی عظمت کی یہی شناخت جو اقبال کے ہاں ہے۔ ملاحظہ ہو.

د خوشحال خان قدر که اوس په هیچا نشته
پس له مرګه به ئے یاد کا ډیر عالم (۳۲)

ترجمہ: خوشحال خان کی قدر و قیمت آج کسی پر عیاں نہیں ہے، لیکن اس کی موت کے بعد اسے ایک دنیا یاد کرے گی.

ان کی مخالفت کی ایک وجہ ان کی حق گوئی بھی تھی جس کو انہوں نے اپنی زندگی ہی میں محسوس کیا تھا، اور کہا تھا:

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش　　　میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند (۳۳)

خوشحال خان کیا کہہ رہے ہیں:

په دا کلی سوك نه لرم نیك خواه
چی رشتیاوایم هم دالرم ګناه (۳۴)

ترجمہ: یہاں میرا کوئی بھی خیر خواہ نہیں۔ اس لیے کہ میرا گناہ سچ بولنا ہے.

کیا آپ کو یہ اشعار ایک دوسرے کے ترجموں کی طرح محسوس نہیں ہوتے؟ کیا آپ بھی میری طرح اس کا اعتراف نہیں کر رہے ہیں کہ خوشحال خان اور اقبال ایک جان دو قالب ہیں، چند مثالیں اور ملاحظہ ہوں اقبال کا ایک شعر ہے:

من فقیر بے نوایم مشربم این است وبس　　　مومیایی خواستن نتوان، شکستن می توان (۳۵)

ترجمہ: میں فقیر بے نوا ہوں اور میرا مشرب یہ ہے کہ میں ٹوٹ تو سکتا ہوں لیکن مومیایی مانگ نہیں سکتا .

خوشحال خان کہتا ہے:

د منت دارو که مرم په کار می نه دی
که علاج لره می راشی مسیحا هم (۳۶)

ترجمہ: منت کی دوا اگر مرنا ہو تو بھی مجھے درکار نہیں اگر چہ میرے علاج کے لیے خود مسیحا ہی چلا آئے.

انہوں نے اپنے توکل اور عظمت کی بنیاد پر ہمیشہ زمانہ ستیزی کا رویہ اختیار کیے رکھا کبھی بھی کسی قوت کے آگے مصلحت کو ترجیح دیتے ہوئے نہیں جھکے اور نہ ہی اس کا کوئی خوف ان کے دل میں آیا، انہوں نے زمانے کو ہمیشہ للکارا اور اس کے مردہ علایم کی اپنے عزائم سے مخالفت کی۔
خوشحال خان نے کہا تھا:

توکلت علی اللہ و ینایوہ دہ
د خوشحال خان د زمانے سرہ ساز نشتہ (۳۷)

ترجمہ: توکلت علی اللہ، بات ایک ہے، خوشحال خان زمانے سے سازگاری نہیں رکھتا۔
اقبال کے ہاں اسی خیال کو دیکھیں

حدیث بے خبراں ہے تو ''بازمانہ بساز'' زمانہ باتو نسازد تو بازمانہ ستیز (۳۸)

اقبال نے کہا تھا کہ

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن (۳۹)

خوشحال خان کا درج ذیل شعر بھی اقبال کے شعر کے اتنا قریب ہے کہ ترجمے کی ضرورت نہیں رہتی وہ کہتے ہیں:

و اغیار تہ لکہ کانڑے موم و یارتہ
پہ سختئ او پہ نرمی کی، ھغہ زہ یم (۴۰)

اسی خودی، کو حس کی جھلک ہم اوپر کے شعروں میں بھی پاتے ہیں، ان کی شاعری میں بکثرت ملتی ہے بلکہ ان کا تو فلسفہ حیات ہی اسی خودی کی بنیاد پر ستوار رہا، اقبال کا فارسی شعر ہے:

ازآن مرگی کہ می آید چہ باک است خودی چون پختہ شد از مرگ پاک است (۴۱)

ترجمہ: اس موت سے جو آنی ہے کیا خوف، خودی جب پختہ ہو جاتی ہے تو موت سے پاک ہو جاتی ہے۔
خوشحال خان کا مشہور زمانہ شعر ہے:

پہ جہان د ننگیالی دی دادوہ کارہ
یا به و خوری ککرے یا به کامران شی (۴۲)

ترجمہ: دنیا میں مرد خودی کے دو ہی کام ہیں یا تو وہ قربان کرے گا یا کامرانی حاصل کرے گا۔

یہاں یہ وضاحت بھی خارج از بحث نہیں کہ اقبال نے جس شے کو ''خودی'' کے لفظ میں پیش کیا ہے وہ خوشحال خان کے ہاں ''ننگیالے'' کے عنوان سے معروف ہے۔

ملوکیت کی حکمرانی نے جہاں اسلام کو دیگر مصیبتوں میں مبتلا کیا وہاں ایک بے ہمتی اور بد بختی ''تقدیر'' کی بھی دی، کہ جس کے ساتھ جو ہوتا ہے یا جس کے پاس جو ہے، یہ اس کی تقدیر ہے اور اس اساس پر حکومت کو دوام دیتے رہے یہ بدبختی آج بھی سادہ لوح اور بے خبر مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔ اقبال اور خوشحال خان اس نظریے کے سخت مخالف تھے، ان کے ہاں سب کچھ عمل ہے اور ہمت مردانہ ہے خوشحال خان نے کہا ہے:

د طالع پہ سود و زیان میں نظر نشتہ
سر تا پا پہ درست وجود واڑہ ہنریم (۴۳)

ترجمہ: میری نظر تقدیر کے سود و زیان پر نہیں، بلکہ میں خوشحال خان، سر سے پاؤں تک ہنر (ہمت و تدبیر) ہوں۔

اقبال نے کہا ہے

فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہِ عمل بند ۔۔۔ مقصود ہی کچھ اور ہے تسلیم و رضا کا
جرات ہے نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے ۔۔۔ اے مردِ خدا ملکِ خدا تنگ نہیں ہے (۴۴)

مردی و مردانگی کا ذکر بھی ان کی شاعری میں بکثرت ملتا ہے، اور دونوں شاعر آسائش، آرام اور عیش و عشرت کے برابر سختی، کوشش اور جہدِ مسلسل کو بہتر سمجھتے ہیں۔ اس لیے تو خوشحال خان نے مرد کے لیے اس کسوٹی کا انتخاب کیا تھا۔

پہ جہان کی کہ مردان دی ہم هغہ دی ۔۔۔ چی وسختی وتہ ونیسی زانونہ، (۴۵)

ترجمہ: جہاں میں اگر مرد ہیں تو وہی، جو سختی کے مقابلے میں ڈٹے رہیں۔

اقبال کو اسی آھنگ کے ساتھ اس شعر میں ملاحظہ فرمائیں۔

در صلابت آبروی زندگی است ناتوانی ناکسی ناپختگی است (۴۶)

ترجمہ: سختی میں زندگی کی آبرو ہے، ناتوانی، ناکسی اور ناپختگی ہے۔

اسی موضوع کے حوالے سے بہت ہی دلچسپ اشعار پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن وائے تنگی دامان مضمون، کہ آگے بڑھنے کا متقاضی ہے صرف ایک ایک مثال اور۔ اقبال کہتے ہیں

بہ کیش زندہ دلان زندگی جفا طلبی است سفر بہ کعبہ نکردم کہ راہ بی خطر است (۴۷)

ترجمہ؛ زندہ دلوں کے آئین میں زندگی سختیوں کا نام ہے میں نے کعبہ کا سفر اس لیے نہیں کیا کہ وہ راستہ بے خطر ہے،

اسی عظیم مقام کو خوشحال خان بھی حوالہ بناتے ہوے مردانگی اور ہمت پر ایک دلیل یوں پیش کرتے ہیں۔

د نا مرد سره مکے ته رسید لے شه د مرد سره په بید بید یاورك (۴۸)

ترجمہ: نامرد کے ساتھ مکہ پہنچنے سے بہتر ہے کہ مرد کے ساتھ کہیں صحرا میں گم ہوا جائے۔

ہمت تلاش اور کوشش کو انہوں نے بڑی خوبصورتی سے شاعرانہ لباس پہنایا ہے۔ ان کے نزد ''ہستم اگرمی روم گرنروم نیستم'' کا نظریہ جا بجا جھلکتا نظر آتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی خطروں کو پسند کرتے ہیں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ خانہ کعبہ کا سفر بھی بغیر خطر کے پسند نہیں کرتے اسی طرح دریا کے کنارے کو نہیں بلکہ دریا کی موجوں سے جنگ کو پسندیدہ قرار دیتے ہوے کہتے ہیں۔ خوشحال خان کہتے ہیں

چې دی توان رسی په لوی دریاب کې گرزه
په بیله کې دی زوال و نیم نهنگه (۴۹)

ترجمہ: اگر ہمت ہے تو بڑے دریا میں کود جاے نہنگ! نالہ تیرے زوال کا سبب ہے۔

اسی تلقین کو اقبال سے سنیں:

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا نوائے زندگانی نرم خیز است
بہ دریا غلط و باموجش درآویز حیات جاویدان اندر ستیز است (۵۰)

ترجمہ: ساحل پر بزم آرائی مت کر کہ وہاں زندگی کی نوا نرم خیز ہے، سمندر میں کود جا اور موجوں سے لڑ، کہ حیات جاویدان کا ستیزہ کاری میں پنہاں ہے۔

باز اور شاہین دونوں کے پسندیدہ موضوع ہیں، جو ان کی شاعری کا خاصہ ہے، اگر شماریاتی نکتہ نگاہ سے دیکھا جائے تو شاید سب سے زیادہ اشعار اسی موضوع پر مل جائیں۔ خوشحال خان کا ایک شعر ہے:

د کلاه لایق خو باز دے یا شاهین دے
په داسه چی د کلاغ په سر کلاه شی (۵۱)

اقبال کے اس شعر کو پڑھتے ہی آپ خوشحال خان کے شعر کا مطلب بھی سمجھ لیں گے جس میں وہ کہتے ہیں:

برہنہ سر ہے تو عزم بلند پیدا کر یہاں فقط سرِ شاہیں کے واسطے ہے کلاہ (۵۲)

شمشیر اور شمشیر زنی اسلام کا ایک روشن باب ہے جہاں بھی اسلام کو خطرہ پیش آیا وہاں شمشیر اور شمشیر زنی کا مظاہرہ ہوا اور تاریخ سے ثابت ہے کہ ایسے افراد کم تھے جنھوں نے راہ اسلام کے لیے مالِ غنیمت پر شمشیر اور میدان جنگ کو ترجیح دی۔ یہ دو شاعر اسلام کی اصل روح سے آگاہ تھے اور کفِ مردانگی میں شمشیر دیکھنا پسند کرتے تھے۔ خوشحال خان کا یہ شعر بہت ہی معروف ہے:

د خوشحال خان دزړه خوشی به هغه وخت وی
چی بریښنا د سپینو تورو شی په زغرو (۵۳)

ترجمہ: خوشحال خان کا دل اس وقت خوش ہوگا کہ جب زروں (سپر) پر سفید شمشیر کی بجلیاں چمکنے لگیں گی۔

اقبال کا بھی ایک شعر اسی منصب کے حوالے سے ملاحظہ ہو۔

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست　　　با من بیا کہ مکتب شبیرم آرزوست (۵۴)

ترجمہ: مجھے تیر و سنان خنجر اور شمشیر کی آرزو ہے۔ مرے ساتھ آ کہ مجھے مکتب شبیری کی آرزو ہے۔

انہوں نے دربار و بادشاہ، سلطان اور درباری شاعری کی شدید مذمت کی ہے اور بادشاہوں کے مقابلے میں درویشوں اور فقیری کو ترجیح دیتے رہے ہیں ان کی زندگی میں کئی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ان کی عملی دربار ستیزی اور درویشی اور فقیر مشربی ظاہر ہوتی ہے۔ خوشحال خان نے دربار سے براہ راست مبارزہ بھی کر دکھایا تھا۔ جبکہ اقبال نے ایوانوں کو اپنے افکار سے لرزہ براندام کر دیا تھا، وہ تلقین کرتے ہیں کہ جو کچھ بادشاہ کے دربار میں ہے اس سے زیادہ قیمتی لعل فقیر کی گدڑی میں موجود ہے، شرط تلاش کی ہے۔

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی　　　نہیں ملتے یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں (۵۵)

خوشحال خان کہتے ہیں:

د بادشاه سخه ئے مه غواړه چې نشته
هغه گنج لکه په کور کې د گدائے دے (۵۶)

خوشحال خان کے مندرجہ بالا شعر کو اقبال کے اردو کا ترجمہ یا اس کو اس کا اردو ترجمہ سمجھ کر پڑھیں اور حظ اٹھائیں

عشق بھی وہ مکتب ہے، جس میں یہ دو شاعر تمام عمر زانوئے تلمذ طے کیے بیٹھے رہے اور ان کو چھٹی بھی نہیں ملتی، چھٹی ملتی بھی ہے، تو کیوں کہ یہ خواہاں ہی نہیں تھے، بلکہ چلا چلا کر کہتے تھے:

عشق کی گرمی سے ہے معرکہ کائنات　　　علم مقام صفات عشق تماشائے ذات (۵۷)

خوشحال

په جهان به هیسوك نه وو كه عشق نه وے
دبدبه دعشق قائمه ترقیامت دے (۵۸)

ترجمہ: جہاں میں کچھ بھی نہ ہوتا اگر عشق نہ ہوتا، عشق کا دبدبہ قیامت تک قائم رہے گا۔

شیخ وملا سے یہ بھی دیگر رند شعرا کی طرح متنفر تھے جس کے باعث کفر کے فتوؤں سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ صرف نظر ان علماء سے جو دین کی روح تک پہنچے ہیں اور ملایت سے دور ہیں انہیں اس زمرے میں نہیں لایا جاسکتا، یہاں ایک ایک شعر ملاحظہ ہو، خوشحال خان نے کہا ہے:

کہ شیخان کہ ملایان دی پرے باور نشته ټگان دی
په کتاب خوزوی شونډی د عمل خوني ئے ډونډی (۵۹)

ترجمہ: شیخوں اور ملاؤں پر کوئی اعتبار نہیں، کتاب کھولے اس پر ہونٹ ہلاتے ہیں لیکن ان کے عمل کا خانہ خراب ہے۔

اقبال کے ہاں اس موضوع کو اس طرح پاتے ہیں:

سر منبر کلامش نیشدار است کہ او را صد کتاب اندر کنار است
حضورِ تو من از خجلت نگفتم زخود پنہان و بر ما آشکار است (۶۰)

وہ درویشی کو ملا کے مقابلے میں تمام عالم پر حاوی سمجھتے ہیں اور اسی مسلک کو اپنا مسلک مانتے ہوئے کہتے ہیں

درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی گھر اس کا سمرقند نہ دلی نہ بخارا (۶۱)

اسی نکتے کو خوشحال خان بھی بڑی خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں:

ما و تاوته دیوال شته غاړی ، غرونه
په درویش تر غرب به شرقه دے یوسم (۶۲)

ترجمہ: ہمارے لیے دیواریں، سرحدیں اور پہاڑ ہیں درویش کے لیے مغرب سے مشرق تک سب ایک ہے۔

اسی حوالے سے یہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں جن میں بلا کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے خوشحال خان:

د درویش بر خه خوشي غم د هغوے دے
چې په شمار دزرو ناست دی چون و چند کا (۶۳)

ترجمہ: درویش کا حصہ خوشی اور غم ان کے لیے ہے جو کہ سیم وزر کے حساب کتاب پر بیٹھے کتنے اور کیسے کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں، اقبال:

مرد درویش کا سرمایہ ہے آزادی مرگ ہے کسی اور کی خاطر یہ حساب سیم وزر (۶۴)

اسی سیم وزر کے حساب کے حوالے سے عشق کی حکومت کو بھی ملاحظہ فرمائیں جوان کے ہاں ملتی ہے اقبال فرماتے ہیں

عشق کے ہیں معجزات سلطنت فقر و دین عشق کے ادنی غلام صاحب تاج و نگین (۶۵)

خوشحال خان یوں کہتے ہیں:

داد عشق د گدا یا نو هسی چار دے
چی د فقر په جامو کی محترم دی (۶۶)

ترجمہ: یہ عشق کے گداؤں کا کمال ہے کہ فقر کے لباس میں بھی محترم ہیں۔

یہ عشق کے پروردہ شاعر، وصال وفراق کے حوالے سے بھی کس قدر مشترک احساس رکھتے ہیں ان کے ذیل کے اشعار میں اس قدر مشترک کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اقبال نے وصل وفراق کو اس طرح جمع تقسیم کیا ہے:

مہینے وصل کی گھڑیوں کی طرح اڑتے جاتے ہیں مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں (۶۷)

اور خوشحال خان نے بالکل اسی احساس کو انہی الفاظ میں بیان کیا ہے، کیا دلچسپ اتفاق ہے۔ ملاحظہ ہو.

د وصال ورزی ئے هلکی تر گڑی دی
بے لیدو ئے میاشت و کال شولے گڑئی (۶۸)

یہاں بہت سے موضوعات، جن کا اوپر ذکر آیا، ان کے لیے مثالیں پیش کرنا ممکن نہیں ہو سکا، کیونکہ مقالے کا دامن اتنا ہی ہو سکتا ہے، اس کمی کو پھر کبھی کسی اور جگہ پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخر میں ان کے جوانوں کے حوالے سے نظریات کے لیے ایک ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ جوانوں کو ہمیشہ متحرک، مشکلات سے مقابلہ اور سختیوں سے نبرد آزمائی کا درس دیتے

ہوے کہتے ہیں

پر جہاں کی کہ زوانان دی ہم ھغہ دی چی وسختی و تہ ونسی زانونہ(۶۹)

ترجمہ: دنیا میں اگر جوان ہیں تو وہ ہیں جو سختیوں سے نبرد آزما ہوں.

اقبال کا معروف شعر ملاحظہ ہو:

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے کہ ترے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں (۷۰)

☆☆☆

حواشی و مراجع

۱۔ اقبالیات کے سو سال (اقبال اور گوئٹے از ڈاکٹر صدیق شبلی)، ص ۹۴۰۔ اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، اشاعت اول ۲۰۰۲ء.

۲۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۸۸۴، اقبال اکادمی، بزم اقبال، لاہور، اشاعت دوم، ۱۹۹۴ء.

۳۔ پشتانہ شعراء، (جلد اول) ص ۱۴۰، مولف: عبدالحیٔ حبیبی، پشتو ٹولنہ، کابل ۱۳۲۰، شمسی.

۴۔ کلیات اشعار فارسی مولانا اقبال لاہوری، ص ۳۶۷۔ با مقدمہ احمد سروش، انتشارات سنائی، تہران۔ چاپ ہشتم ۱۳۸۱

۵۔ اقبال و افغان، ص ۱۰۰، میر عبدالصمد خان، یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور، ۱۹۹۰ء.

۶۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۱۹۱.

۷۔ ارمغان خوشحال خان، ص ۱۳۲، یونیورس بک ایجنسی، اشاعت دوم ۲۰۰۱ء.

۸۔ ایضاً، ص ۵.

۹۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۲۸.

۱۰۔ ارمغان خوشحال خان، ص ۲۳۳.

۱۱۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۲۸۰.

۱۲۔ ارمغان خوشحال خان، ص ۴۳۰.

۱۳۔　کلیاتِ اقبال (فارسی) ص۷۲.

۱۴۔　کلیاتِ اقبال (اردو) ص۳۰۱

۱۵۔　باقیاتِ اقبال، ص۱۴۵، سید عبدالواحد معینی، آئینہ ادب، لاہور

۱۶۔　دیوان خوشحال خان خان، ج۱، ص۴۶۲، دافغانستان دعلوموا کادیمی، کابل، حوت ۱۳۵۹.

۱۷۔　ارمغان خوشحال خان، ص۲۶۳، ۲۶۴.

۱۸۔　کلیاتِ اقبال (اردو) ص۵۵۷

۱۹۔　کلیاتِ اقبال (فارسی) ص۳۱۶

۲۰۔　دیوان خوشحال خان، ص۴۱۷

۲۱۔　کلیاتِ اقبال (اردو) ص۳۱۳

۲۲۔　دیوان خوشحال خان، ص۴۴۲

۲۳۔　ایضاً، ص۵۵۰

۲۴۔　کلیاتِ اقبال (اردو) ص۳۰۵

۲۵۔　ایضاً، ص۶۸۰

۲۶۔　دیوان خوشحال خان، ص۱۳۹

۲۷۔　کلیاتِ اقبال (اردو) ص۲۹۱

۲۸۔　دیوان خوشحال خان، ص۴۴۸

۲۹۔　ایضاً، ص۱۹۱

۳۰۔　کلیاتِ اقبال (فارسی) ۲۴۷

۳۱۔　ایضاً، ص۱۴۷

۳۲۔　ارمغان، خوشحال خان، ص۴۴۱

۳۳۔　کلیاتِ اقبال (اردو)، ص۴۹۴

۳۴۔ ارمغان خوشحال خان، ص۴۹۴،

۳۵۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۲۴۹

۳۶۔ ارمغان خوشحال خان، ص ۱۷

۳۷۔ ایضاً، ص ۲۹۱

۳۸۔ کلیات اقبال (اردو)، ص ۲۵۹

۳۹۔ ایضاً، ص ۵۵۸

۴۰۔ ارمغان خوشحال خان، ص ۴۴۲

۴۱۔ کلیات اقبال (فارسی)، ص ۱۵۹

۴۲۔ ارمغان خوشحال خان، ص ۳۸

۴۳۔ ایضاً، ص ۶۷

۴۴۔ کلیات اقبال (اردو)، صص ۵۶۵۔۵۶۶

۴۵۔ ارمغان خوشحال خان، ص ۸۵

۴۶۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۴۰

۴۷۔ ایضاً، ص ۳۴۴

۴۸۔ ارمغان خوشحال خان، ص ۴۳۲

۴۹۔ ایضاً، ص ۴۲۳

۵۰۔ کلیات اقبال (فارسی)، ص ۲۰۰

۵۱۔ ارمغان خوشحال خان، ص ۹۹

۵۲۔ کلیات اقبال (اردو) ۲۷۸

۵۳۔ ارمغان خوشحال خان، ص ۴۸

۵۴۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۲۴۸

۵۵۔ کلیات اقبال (اردو)، ص ۱۳۰

۵۶۔ ارمغان، خوشحال خان ص ۶۵۶

۵۷۔ کلیات اقبال (اردو)، ص ۵۳۳

۵۸۔ ارمغان خوشحال خان، ص

۵۹۔ فراقنامہ، ص ۹۶، ز: خوشحال خان خان خٹک، تحقیق، زلمے هیوادمل پشتون کور (بن) جرمنی ۱۳۸۰

۶۰۔ کلیات اقبال (فارسی) ص ۴۴۸

۶۱۔ کلیات اقبال (اردو)، ص ۳۵۷

۶۲۔ ارمغان خوشحال خان، ص ۶۷۲

۶۳۔ ایضاً، ص ۴۱۴

۶۴۔ کلیات اقبال (اردو)، ص ۳۸۰

۶۵۔ ایضاً، ص ۵۳۳

۶۶۔ ارمغان خوشحال خان، ص ۵۹۰

۶۷۔ کلیات اقبال (اردو) ص ۱۰۹

۶۸۔ ارمغان خوشحال خان، ص